اسلام کا شورائی نظام

از: ڈاکٹر حسن ہویدی — تلخیص و ترجمہ: عبدالحمید صدیقی

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ (آل عمران)

اللہ کی رحمت کے سبب تم اُن سے نرمی سے پیش آئے اگر آپ تندرو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے ان سے درگذر کر اور انہیں معاف کر دے اور ان سے مشورہ کر۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (الشوریٰ ۔ ۳۷)

یہ وہ لوگ ہیں جو باری تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور باہمی معاملات صلاح مشورے سے حل کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُسے خرچ کرتے ہیں۔

جن معاملات میں وحی سے رہنمائی نہیں مل سکتی اور جن کے بارے میں سُنّتِ رسول بھی خاموش ہے اُن کے لیے اسلام نے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ اور اسے نظامِ زندگی کی اساس ٹھیرایا ہے اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی ترغیب دی ہے۔ اللہ کے جن بندوں نے اس نظام کو اپنانے کی کوشش کی ہے قرآن مجید نے ان کی مدح و توصیف فرمائی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جلیل القدر خلفاء نے اس پر عمل پیرا ہو کر اس کے خطوط متعین کیے اور ان کے بعد صحابہ اور دوسرے اہلِ حق اس راستہ پر گامزن رہے۔ انہوں نے اس نظامِ شورائیت میں گوناگوں فوائد دیکھے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں مختلف آراء سامنے آجاتی ہیں اور پھر دلائل کے ذریعے بات کی جاتی ہے اور اس طرح پوری چھان پھٹک

کے بعد صحیح چیز کو اخذ کیا جاتا ہے۔ امام بغوی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے

ما رأیت رجلا اکثر استشارۃً للرجال من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مَیں نے انسانوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

جب یہ طرزِ عمل اس ذاتِ اقدس کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وحی سے سرفراز فرما کر لوگوں کی آراء اور مشوروں سے بے نیاز کر رکھا ہے تو کیا وجہ ہے کہ دوسروں کو مشاورت کی بدرجۂ اتم ضرورت محسوس نہ ہو۔ مشاورت کی افادیت پر بہت سے دوسرے علماء اور حکماء نے بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ مشاورت عین ہدایت ہے۔ جس شخص نے اپنے آپ کو دوسروں کے مشورے سے بے نیاز سمجھا، اُس نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال لی۔ عمل سے پہلے تدبر کرنے والا ندامت اور پچھتاوے سے بچ جاتا ہے۔ بعض حکماء نے یہ بھی کہا ہے کہ صحیح اور درست بات معلوم کرنے کے لیے مشاورت سے بہتر کوئی دوسری تدبیر نہیں۔ جب کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ اس بارے میں دوسروں سے مشورہ لے۔ تو اس مشورے میں اس پر صحیح بات واضح ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اکیلا کسی مسئلے کے سارے بہتر پہلوؤں کا اچھی طرح احاطہ نہیں کر سکتا۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں مشاورت ہی سے صحیح ترین امور کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ ابنِ عربی نے کہا ہے، مشاورت سے جماعت کے اندر الفت و محبت پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے عقلی معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ مشاورت اس قدر اہم چیز ہے کہ اس سے کوئی امیر، کوئی قائد، کوئی حاکم، کوئی عالم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مشاورت کے سلسلے میں شریعت نے جو احکام صادر کیے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:

(۱) علماء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایات دی ہیں ان کے بارے میں وہ مشورہ کرنے کے مجاز نہیں۔

(۲) علماء کا البتہ اس امر میں اختلاف ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی کسی معاملے کے طے کرتے میں ان سے مشورہ کرو" کیا یہ حکم واجب ہے یا محض اجر و ثواب کا موجب۔ ابنِ کثیر اپنی تفسیر جلد (۲) صفحہ ۱۴۲ میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس معاملے میں اختلاف ہے کہ کیا محض مندرجہ بالا آیت کی رُو سے مشاورت کی نوعیت واجب کی ہے یا محض اجر و ثواب کی۔ امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں اس پر اظہارِ خیال کیا ہے انہوں نے لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ بعض معاملات میں اجتہاد اور وحی الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس سے کام لینے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا ہے۔ البتہ اس حکم کے دائرۂ اثر کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس مشاورت کا دائرہ جنگی چالوں، دشمن کے ساتھ مقابلے تک محدود ہے۔ مشاورت سے حضورؐ کے صحابہ کی دل جوئی اور ان کی قدر و منزلت اور دینی معاملات میں ان کی تربیت مقصود تھی۔ درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو وحی کے ذریعے ان کی رائے سے مستغنی کر رکھا تھا۔

یہ خیال قتادہؒ، ربیعؒ، ابن اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ نے بطور مثال حضورؐ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ جب کسی کنواری سے نکاح کے وقت اجازت طلب کی جاتی ہے تو اس میں مشاورت واجب کے حکم میں نہیں آتی۔ بلکہ اس کا مقصد اس خاتون کی دل جوئی ہوتا ہے۔ دوسرے گروہ جن میں حسن بصریؒ اور ضحاک ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاورت کا جو حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ کچھ یہ نہیں کہ حضورؐ اپنے صحابہ کی رائے کے محتاج تھے، بلکہ اس میں مصلحتِ خداوندی یہ تھی کہ اللہ اس کے ذریعہ مشاورت کی خوبیاں ظاہر کرنا چاہتا تھا تاکہ حضورؐ کی امت بعد میں اس پر عمل پیرا ہے۔

(۳) علماء سلف و خلف اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ یا امیر کو جب حق کے معاملے میں شرحِ صدر حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مشاورت ضروری نہیں۔

ہم آگے بڑھنے سے پہلے چند باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

(ا) جہاں تک نص صریح کا تعلق ہے خواہ اس کی اساس قرآن مجید ہو یا سنتِ رسول اس پر اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

(ب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت شارع کی ہے۔ حضورؐ نے اپنے قول، فعل اور عمل سے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ عین شریعت ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ امت اس کی پیروی کرے (اب مشاورت کے بارے میں حضورؐ کا عمل) اس بات کے لیے دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا کہ یہ عمل صرف حضورؐ کی زندگی تک ہی واجب الاتباع تھا۔

(ج) ایک ایسی نص جو مختلف تعبیرات کی حامل ہو وہ اجتہاد کا موضوع بن سکتی ہے اور اس لیے اس کے بارے میں مشاورت کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں اگر امیر اس نص کی ایک خاص تعبیر کرے

اور اس امر پر اصرار کرے کہ چونکہ اس کے موقف کی بنیاد نص پر ہے اس لیے اس کے متعلق مشاورت نہیں ہو سکتی تو یہ دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ صرف نصِ صریح مشاورت سے بالا ہے جس میں کوئی ایسا حکم قطعی موجود ہو جس کی ایک تعبیر کے علاوہ دوسری تعبیر نہ کی جا سکتی ہو۔

(د) خلیفہ وقت کا کسی مرحلے میں اپنی رائے سے رجوع کر کے شوریٰ کے ارکان کی رائے کو اختیار کر لینا اس بات کی دلیل نہیں ٹھیرایا جا سکتا کہ شوریٰ کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوتا ہے۔ خلیفہ یا کسی دوسرے شخص پر صرف قبولِ حق کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خواہ وہ کہیں سے بھی ملے۔ تاریخ میں ہمیں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جو فی الحقیقت مشاورت کے ہی ثمرات ہیں جن میں کبھی خلیفہ نے ارکانِ شوریٰ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مگر ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ خلیفہ کے لیے شوریٰ محض ایک اضافی ادارہ ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں

مندرجہ بالا بنیادی امور کے تذکرے کے بعد ہم سب سے پہلے ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ خلیفہ شوریٰ کے فیصلے کا ہر حال میں پابند نہیں۔

اس مضمون کے آغاز میں سورۃ آلِ عمران اور سورۃ الشوریٰ کی جو آیات نقل کی گئی ہیں ان میں کسی سے بھی یہ استنباط نہیں کیا جا سکتا کہ خلیفہ شوریٰ کی رائے کا پابند ہے بلکہ اس استنباط کے برعکس ہم پہلی سورۃ میں تو یہ دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھیوں کے لیے باری تعالیٰ سے طلبِ عفو و غفران کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں یہ بات کیونکر قرینِ قیاس ہو سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کی آراء کا پابند بنایا جائے جو اس بات کے محتاج ہیں کہ نبی اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و معافی طلب کرے۔ جس ذات کا مقام ارفع و اعلیٰ ہو اُسے نسبتاً کم تر مقام رکھنے والے لوگوں کی رائے کا کس طرح محتاج ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت کو صحابہ کی دلجوئی پر محمول کیا ہے اور اس کا مقصد و حید یہ قرار دیا ہے کہ حضورؐ کے بعد امت کس طرح اس پر عمل پیرا رہے۔ پھر سورۃ الشوریٰ کی آیت کا یہ حصہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، یعنی جب تو عزم کر لے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے (کام کو شروع کر دے)، اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے کہ مشاورت کے باوجود حضورؐ اپنی رائے پر قائم رہے یا دوسرے لفظوں میں حضورؐ نے جو رائے قائم کی اسی پر عمل کیا اور جن لوگوں سے مشاورت کی تھی اپنی رائے کو ان کا پابند نہیں بنایا۔ اگر مندرجہ بالا آیت سے شوریٰ کے فیصلے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو اس سے یہ بات بھی نہیں نکلتی کہ شوریٰ

محض ثانوی ادارہ ہے۔ سلف و خلف میں کوئی عالم بھی شوریٰ کی رائے کے وجوب کا قائل نہیں۔ (البتہ اس کی غیر معمولی افادیت کے سب قائل ہیں)، اپنے اس موقف کی تائید میں انہوں نے جن واقعات سے استشہاد کیا ہے وہ چند ایک یہ ہیں۔

صلح حُدَیبیہ: ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد چار ص ۱۹۷ میں صحیح بخاری سے اس واقعہ کو یوں نقل فرمایا ہے۔

سُہیل بن عمرو (کفار کا وکیل) آیا اور کہا لو معاہدہ تحریر کرو۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے کہا۔ خدا کی قسم مَیں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے بلکہ باسمک اللّٰھم لکھو جو (پہلے) لکھا جاتا تھا۔ اس پر مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہم سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اور کچھ نہ لکھیں گے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں باسمک اللّٰھم ہی لکھیے پھر حضور نے فرمایا "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین ہوا ہے" اس پر سہیل نے کہا: خدا کی قسم! اگر ہم یہ تسلیم کرتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے کیوں روکتے اور ہم آپ کے خلاف صف آرا کیوں ہوتے، اس لیے صرف محمد بن عبداللہ لکھو۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھے جھٹلا رہے ہو، چلو محمد ابن عبداللہ ہی لکھو۔ پھر سہیل نے کہا: اگر تمہارے پاس ہمارا کوئی آدمی آجائے تو خواہ وہ تمہارا دین قبول ہی کر چکا ہو، اُسے ہماری طرف لوٹانا پڑے گا۔

اس پر مسلمانوں نے کہا سُبحان اللہ وہ مشرکین کی طرف کس طرح لوٹایا جا سکتا ہے، درآنحالیکہ وہ مسلمان ہو گیا ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کو لکھوا کر فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا: اٹھو جانوروں کی قربانی کرو۔ اور بالوں کو منڈواؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا یہاں تک کہ حضورؐ کو یہ فرمان تین مرتبہ دُہرانا پڑا۔

یہ واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت بلکہ قریب قریب سارے مسلمانوں کی رائے کے مخالف فیصلہ صادر فرمایا۔ مسلمانوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے اور کچھ نہ لکھیں گے مگر حضور سرورِ دو عالمؐ نے باسمک اللّٰہم لکھنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کا موقف یہ تھا کہ جو شخص ان کے پاس مسلمانوں کی حیثیت سے آتا ہے اسے مشرکین کو کس طرح لوٹایا جا سکتا ہے مگر حضورؐ نے مسلمانوں کے اس موقف کی تائید نہ کی بلکہ مشرکین کے مطالبے کو تسلیم کر دیا۔ پھر حضور سرورِ دو عالم نے انہیں قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا مگر کوئی شخص ان کاموں کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ قصہ مختصر حضورؐ نے اس معاہدے میں ایسی شرائط منظور کیں جن میں بظاہر مسلمانوں کی ہیٹی تھی۔

صلح حدیبیہ کے یہ سارے گوشے اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ قائد کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے اُسے اکثریت کی رائے کے علی الرغم اختیار کرے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شوریٰ کا فیصلہ امیر کے لیے قطعی اور حتمی نہیں ہوتا کیونکہ حضورؐ نے ہمیں اس ضمن میں جو رہنمائی دی ہے وہ بحیثیت شارع کے دی ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر یہ اعتراض کرے کہ حضورؐ نے یہ فیصلہ وحی کی بنیاد پر کیا اس لیے وہ دوسروں کی رائے سے بے نیاز تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ کیونکہ سورۃ الفتح جو اس واقعہ سے بحث کرتی ہے یہ اس وقت نازل ہوئی جب حضورؐ قافلے سمیت مدینہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ اگر حضورؐ یہ احکام وحی کی بنیاد پر دیتے تو آخر کوئی مسلمان وحی کے مخالف کس طرح کوئی قدم اٹھانے کی جسارت کر سکتا تھا کیونکہ وحی کی جانتے بوجھتے مخالفت کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے اور یہ لوگ جن کے بارے میں قرآن مجید نے یہ کہا ہے کس طرح احکامِ الٰہی کے خلاف طرزِ عمل اختیار کر سکتے تھے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور - ۵۱)	ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

پھر اس سلسلے میں کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے محفوظ و مامون کر رکھا تھا اور وہ فطری طور سے صحیح بات کو اخذ کرنے پر مجبور تھے۔ مگر باقی افراد کے ساتھ یہ صورت ممکن نہیں۔ یہ سرورِ عالم کا خصوصی امتیاز تھا جس کی بنا پر وہ دوسروں سے منفرد تھے ہم اس بات کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اسے اپنا جزوِ ایمان بھی سمجھتے ہیں مگر حضورؐ کا شوریٰ کے معاملے میں یہ

طرزِ عمل ایسا نہیں جو صرف اُن کی ذات تک محدود ہو بلکہ یہ تو شرعی حکم ہے جس کی امت کو اطاعت اور پیروی کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ حضورؐ تو سورۃ النجم کی آیت ۳ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کے مطابق کوئی بات بھی اپنی مرضی سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ وہی فرماتے اور کرتے جن کے لیے اللہ تعالیٰ اُنہیں وحی کی صورت میں حکم دیتا۔ خواہ یہ وحی متلو ہوتی یا غیر متلو تو اس دلیل سے شوریٰ کی رائے کا وجوب تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات شوریٰ کے فیصلے کے خلاف عمل کیا جو اصل میں حکمِ خداوندی تھا۔ اس لیے حضورؐ کی پیروی میں دینی مصالح کے تحت خلیفہ اور امیر بوقتِ ضرورت شوریٰ کے فیصلے کو نظر انداز کرنے کا مجاز ہے۔ اگر ہم شوریٰ کے معاملے میں ہدایت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سُنت سے حاصل نہ کریں گے تو آخر کس سے کریں گے؟

صلح حدیبیہ کا یہ مشہور واقعہ خلیفہ کے لیے اور امیر کے لیے ارکانِ شوریٰ کے فیصلے سے ہٹ کر عمل کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے بشرطیکہ خلیفہ کے سامنے حق و صداقت کی وہ راہ واضح ہو جو دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو۔ یہ وہ طرزِ عمل تھا جسے حضور کے بعد خلفاءِ راشدین نے اختیار کیا۔ جب بھی اللہ کے دین کی حفاظت مقصود ہو تو خلیفہ اگر محسوس کرے کہ شوریٰ کا فیصلہ صحیح نہیں تو اُسے پسِ پشت ڈال سکتا ہے۔ ہم یہاں جنگِ اُحد کو شوریٰ کے فیصلے کے عدمِ وجوب پر بطورِ شہادت پیش نہیں کرنا چاہتے۔ ہم پہلے ہی یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ امام اپنی رائے تبدیل کر کے اپنے رفقاء کار کی رائے قبول کر سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی چیز بھی مانع نہیں مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ رائے کی یہ تبدیلی محض اُن کی رائے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی رائے صحیح اور درست ہے۔ اصل میں تو رجوع حق و صداقت کی طرف کیا جاتا ہے خواہ وہ کسی جگہ بھی ہو۔ کس قدر فرق ہے رجوع الی الحق اور دوسرے لوگوں کی رائے کی پابندی میں جبکہ حق اس کا مؤید نہ ہو؟

اس سلسلے میں مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگ بھی ہمارے اس موقف کی تائید کرتی ہے کہ خلیفہ اکثریت کی رائے کو نظر انداز کر کے ایک ایسا قدم اٹھا سکتا ہے جو حق کے زیادہ قریب ہو۔

العواصم من القواصم کے ص ۴۶ پر مذکور ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی۔ اگر اس وقت عرب (کے بعض قبائل) نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے تو (موجودہ حالات) میں آپ کو صبر کرنا چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر کوئی اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی دینے سے بھی پس و پیش کرے گا جو وہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ کی صورت میں دیتا تھا۔ تو میں ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کروں گا میں ان کے خلاف صف آرا ہوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے مابین تفریق کرتے ہیں۔ اس پر انہیں کہا گیا؟ کس کے ساتھ لے کر آپ ان سے جنگ کریں گے؟ تو آپ نے کہا "اکیلا ہی (اگر مجھے ایسا کرنا پڑا)۔"

آپ غور کریں کہ کس طرح خلیفہ اپنی رائے میں منفرد ہونے کے باوجود وثوق کے ساتھ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے پر اصرار کر رہا ہے اور اس راہ میں تن تنہا لڑنے کا عزم بالجزم رکھتا ہے۔ اس مثال کے ہوتے ہوئے کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ پر شوریٰ کے فیصلے کی پابندی لازم ہے۔ اور اگر ان لوگوں کا دعویٰ صحیح ہے تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا جلیل القدر انسان اور خلیفۂ راشد شوریٰ کے فیصلے کو پسِ پشت ڈالنے کی غلطی کر سکتا ہے؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل میں ہمارے لیے رہنمائی کا کوئی سامان موجود نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان حضرات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "میرے بعد میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی لازم ہے"۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۂ راشد کا طرزِ عمل واجب الاتباع نہیں ہو سکتا تو اور کس کا ہو سکتا ہے؟ اگر اس ضمن میں کوئی یہ کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک جنگ نہ کی جب تک کہ دوسرے صحابہ جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے ان کی رائے سے متفق نہ ہو گئے۔ اور انہوں نے ان کی رائے کی صحت کا واضح طور پر یوں اعتراف نہ کیا کہ "میں نے یہ دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مانعینِ زکوٰۃ کے معاملے میں حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے۔ اور میں نے اس حقیقت کو پہچان لیا ہے کہ وہ حق پر ہیں"۔ اگر یہ دلیل بھی پیش کی جائے تو اس سے آخر یہ نتیجہ کس طرح نکل سکتا ہے کہ خلیفہ اکثریت کی رائے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا اس کی بنیاد نص پر تھی تو اس سے بھی ارکانِ شوریٰ کی رائے

کا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کے جس قول سے استشہاد کیا وہ یہ ہے:

اُمِرتُ ان اقاتل الناس حتیّٰ یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقہا۔	مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے خلاف جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں جب وہ اس کا اعتراف کرلیں تو ان کی جانیں اور مال محفوظ ہیں۔

جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس نص سے استدلال فرمایا تو پھر اُن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخر کیوں اختلاف کیا۔ یہ دونوں بزرگ اس بات کے قائل تھے کہ نص ان کے موقف کی تائید کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ چونکہ اس نص سے دونوں پہلو نکلتے تھے اس لیے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ حق اس کے ساتھ ہے۔ یہ ایک ایسی صورت تھی کہ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ جب کسی نص سے کئی ایک پہلو نکل سکتے ہوں تو اس کے بارے میں اجتہاد و استنباط کیا جا سکتا ہے اور شوریٰ میں اس پر بحث کی جا سکتی ہے اور اس معاملے میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی جس طرح کہ نصِ قطعی میں کی جاتی ہے۔ اگر یہ نصِ قطعی ہوتی تو صحابہ کرام میں اس پر کوئی اختلاف نہ ہوتا اور ان سب کا موقف ایک ہی ہوتا۔ مگر چونکہ یہ نص قطعی نہ تھی اس لیے اس میں اختلاف کی گنجائش تھی اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حق واضح فرمایا جس کی بنا پر انہوں نے صحابہ کی رائے کے علی الرغم مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔

(باقی)